© rasailojaraid.com

جمہوریت اور اسلامائزیشن

پروفیسر ق ۔ م ۔ احمد

مملکت خداداد پاکستان کو اللہ تعالیٰ ہر دشمن کی نظر بد سے محفوظ رکھے اور اسے تا قیامت قائم و دائم رکھے اس لئے کہ یہ مسلمانان عالم کیلئے عموماً" اور اسلامیان برصغیر کیلئے خصوصاً" ایک بے بہا عطیہ خداوندی ہے جو صرف دعاؤں کی جھولی پھیلانے سے نہیں بلکہ لاکھوں قربانیوں کے عوض عطا ہوا ہے۔ لاکھوں جانیں گئیں، عصمتیں لٹیں اور کروڑوں اربوں کی جائیدادیں سلب و غصب ہوئیں لیکن ان سب کے عوض پاکستان کا قیام کچھ منہگا سودا نہ تھا۔ اس عطیہ و نعمت خداوندی پر شکر ادا کرنے کا سب سے بڑا عمل تو یہ تھا کہ اس کے قیام کے فوراً بعد اس میں خالص کتاب و سنت پر مبنی شرعی نظام نافذ کر دیا جاتا مگر وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے کہ بانی پاکستان کو اجل نے اس کار خیر کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی مہلت نہ دی اور ان کے سیاسی جانشینوں نے اس طرف توجہ دینا ضروری نہ سمجھا۔ 1956ء کے آئین میں اس بارہ میں چند دفعات رکھی گئیں۔ مگر یہ آئین اپنے نفاذ سے قبل ہی مارشل لاء کے فرشتہ اجل کی نظر کا شکار ہو گیا۔ صدر ایوب نے 1962ء کے آئین کو اس بنیاد پرستی سے پاک رکھنے میں ہی عافیت سمجھی اور 1972ء کے آئین میں اس ضمن میں کافی پیش رفت ہوئی مگر یہ دفعات صرف آئین کی زینت بنی رہیں اور خداوندان پاکستان کو ان کے مطابق ملک میں قانونی ڈھانچہ تیار کرنے کی فرصت نہ ملی تاآنکہ صدر ضیاء الحق کے مارشل لاء نے اس کو معطل کر کے اقتدار کی دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

نیتوں کے بھید اللہ جانتا ہے مگر ظاہری احوال بتاتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اپنے اقتدار کو طول دینے کی خاطر "اسلامائزیشن" کا نعرہ بلند کیا۔ شاید وہ جانتے تھے کہ مذہب کے نام پر مسلمانوں کو بے وقوف بنانے سے زیادہ آسان اور تیر بہدف نسخہ کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسلامی نظام کو مکمل نافذ کرنے کی بجائے اس کی جزئیات کو اپنانا شروع کر دیا۔ اور جزئیات بھی وہ جن کا فائدہ سو فیصد حکومت کو پہنچتا تھا۔ اسلامی قوانین کے نام پر حدود نافذ کی گئیں۔ اور ان میں کوڑہ زنی کی سزا کو بہت اہمیت دی گئی۔ تاکہ اس کی دہشت اور وحشت سے سیاسی طور پر اقتدار پر مکمل اور مضبوط قبضہ قائم و دائم رکھا جا سکے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ان قوانین میں حدود کے ساتھ خود وضع کردہ تعزیرات کو بھی اسلامی قوانین قرار دیدیا گیا۔ کیونکہ تعزیری سزائیں تو غیر مسلم معاشرہ میں بھی دی جاتی ہیں۔ اور ان کے بغیر کسی حکومت اور منظم معاشرہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا حدود کے پردہ میں اپنی من پسند تعزیری سزا وضع کرنا اور اسے اسلامی قرار دیکر دوسروں کی زبانیں بند کرنے کی کوشش کرنا اسلامی نظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ ظالمانہ مذاق ہے۔ زکوۃ اور عشر کا نظام چلایا گیا۔ پہلا فائدہ تو یہ ہوا حکومت کے پاس اربوں روپے آگئے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ کئی مذہبی فرقوں کو خوش رکھنے کا موقع مل گیا۔ اور علماء و مشائخ کی خاطر و مدارت و لذت کام و دھن کے لئے وافر مقدار میں فنڈز مہیا ہو گئے۔ وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تاکہ وہ کسی قانون جاریہ کو شرعی یا غیر شرعی قرار دینے کا فیصلہ کر سکے۔ مگر یہاں بھی ہاتھ کی صفائی دکھائی گئی۔ اول تو اس فاضل عدالت کے جج صاحبان کی شرائط ملازمت انتہائی ناقص رکھی گئیں۔ دوم اس میں جج صاحبان کا تقرر فرقہ واریت کی بنیاد پر کیا گیا۔ صدر ضیاء مرحوم کے اس اقدام نے ملک بھر میں فقہی عصبیت اور فرقہ وارانہ تنگ نظری کو مزید مستحکم کیا اور اس مردہ گھوڑے کے جسم میں ایک نئی توانائی آگئی۔ کتاب و سنت اور خلفاء راشدین کی تعلیمات دب گئیں اور فقہی مذاہب کو شریعت کا درجہ مل گیا۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس سارے عمل میں علماء اہلحدیث کو بدنیتی کی بناء پر باہر رکھا گیا کیونکہ صرف یہ ہی علماء ایسے تھے جن کی ذہنی و فکری وابستگی ہر قسم کی فقہی عصبیت سے بالاتر تھی۔

اس کے بعد صدر اسحاق تشریف لائے۔ قصاص اور دیت کا قانون نافذ فرمایا۔ اس میں بھی فرقہ وارانہ ذہن کار فرما رہا۔ قتل خطاء کی دیت تقریباً ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے مقرر کی گئی۔ اس رقم کے تعین کی شرعی دلیل نہ معلوم ہے۔ اگر اس کی بنیاد کوئی دینار ہے تو اس کے مقابلہ میں مدنی دینار اس اعزاز کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ ویسے بھی اس رقم کا تعین اسلامی روح سے عاری اور شرعی مزاج کے خلاف ہے۔ ملک میں ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کیلئے اس رقم کا ادا کرنا ہاتھ کا میل اتارنے کے مترادف ہے اور ایسے کروڑوں کی تعداد میں ہیں جن کی سات پشتیں بھی گروی رکھ دی جائیں تو وہ یہ رقم ادا نہیں کر سکتے۔ اس قدر غیر متوازن سزا کا تعین اسلام جیسے فطری نظام میں نہیں ہو سکتا۔ اس غیر دانشمندانہ قانون نے محروم طبقوں میں اس تاثر کو عام کیا ہے کہ اسلام بھی صرف امیروں کیلئے ہی ہے۔ اس ساری تفصیل سے بتانا یہ مقصود ہے کہ پاکستان میں جب سے اسلامائزیشن کا عمل شروع ہوا ہے اس سارے عرصہ میں ہمیشہ مقاصد شریعت کو پس پشت ڈال کر انتہائی محدود سوچ کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اور اس ساری بے ہنگم اسلامائزیشن کے دوران اسلام نابالغ عالموں کے ہاتھوں کھلونا بنا رہا ہے۔ شریعت بل میں جس طرح شریعت کو بے موت مار گیا اس کی صدائے بازگشت ابھی تک سنی جا رہی ہے۔ حال ہی میں بعض حضرات نے اسلام کے سیاسی نظام کو موضوع بحث بنا کر اپنی عالمانہ آراء کا اظہار شروع کیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار صاحب نے "خلافت" کا نعرہ لگایا ہے اور اسے شرعی اصطلاح قرار دیا ہے۔ دیگر کئی حضرات بھی یہ ہی فرما رہے ہیں کہ خلافت و شورائیت شرعی اصطلاحات ہیں کیونکہ ان کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ یہ بزرگ جب خلافت و شورائیت کی حمایت میں اوراق کے اوراق سیاہ کرتے ہیں تو ان سب کی تان آخر کار اس بات پر ٹوٹتی ہے کہ جمہوریت کفر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ غیر اسلامی نظام ہے' سات سمندر پار سے در آمد شدہ ہے۔ یہ مغربی نظام حکومت ہے جبکہ خلافت و شورائیت کی اصطلاحات قرآنی ہیں۔ لہٰذا پاکستان میں نظام خلافت کا احیاء کیا جانا ضروری ہے اس کارخیر کے بغیر اسلامی نظام سیاست قائم نہیں ہو سکتا۔ صیونیت اور سفید سامراج کیلئے اسلام کا عقیدہ جہاد ناقابل برداشت تھا۔ وہ مسلمانوں کی نمازوں سے خوف زدہ تھے نہ روزہ و زکوٰۃ سے۔ وہ صرف جہاد سے لرزاں و ترساں تھے اور تیر ہمیشہ ان کے دلوں میں ترازو رہا۔ اہل مغرب کی طرف سے مسلمانوں کو جو بنیاد پرستی کا طعنہ دیا جاتا ہے اس کا مقصد صرف یہ تلقین کرنا ہے کہ نظریہ جہاد سے دستبرداری کا اظہار کیا جائے کیونکہ جب تک اہل اسلام جذبہ جہاد سے سرشار ہیں دنیا میں ان کا بحیثیت مجموعی سرنگوں کرنا ناممکن ہے۔ جو لیڈران کرام اور سیاسی زعماء فخریہ انداز میں اپنے بنیاد پرست ہونے کی نفی کرتے ہیں وہ بیچارے اس قدر سادہ لوح ہیں کہ انہیں یہ فہم ہی نہیں کہ اس طرح وہ عقیدہ جہاد کی نفی کر رہے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ دنیا بھر کے مسلمان جہاد کا نعرہ لگانا بند کر دیں تو ان کو کبھی بھی بنیاد پرست نہ کہا جائے۔ انگریز سامراج نے جس طرح جہاد سے نجات حاصل کرنے کیلئے فرقہ مرزائیہ کو جنم دیا اور مسلمانوں کو فرقہ واریت میں تقسیم کیا اسی طرح جنرل ضیاء الحق مرحوم کا یہ ناقبل معافی جرم ہے کہ انہوں نے جمہوریت سے خوف زدہ ہو کر اس کو غیر اسلامی اور غیر شرعی قرار دلوانے کیلئے پاکستان میں ڈاکٹروں اور پروفیسروں کا ایک گروہ پیدا کیا۔ جنہوں نے اپنے آقا کے حسب الحکم جمہوریت کی نفی کرنا ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔

ان حضرات نے سب سے پہلے یہ گمراہ کن تاثر دیا کہ جمہوریت کا معنی یہ ہے کہ ہر کام جو اکثریت چاہے وہ جمہوریت ہے۔ جمہوریت کا یہ مفہوم دنیا میں کہیں بھی نہ موجود ہے نہ کسی نے لیا ہے۔ جمہوریت ہمیشہ عوامی خواہشات کی پابند اور ان کے بنیادی نظریات کے ماتحت ہوتی ہے۔ اگر یورپ میں جمہوریت کی وجہ سے بعض جنسی معاملات کی اجازت دی جاتی ہے تو اس میں قصور جمہوریت کا نہیں بلکہ جنسی معاملات میں وہاں کے عوام کی خواہش اور نظریات کا ہے۔ وہاں کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جا سکتا جو وہاں کے عوام کی اکثریت کی خواہش اور نظریہ ریاست کے خلاف ہو۔ اس بناء پر اسلام میں بھی جمہوریت کا جو تصور ہے وہ مسلمانوں کی مجموعی خواہشات اور ان کے بنیادی نظریات کے تحت ہے۔ اور اس کا عمومی طور پر اطلاق دو معاملات میں ہوتا ہے۔

(الف) قرآن اور سنت میں کسی مقام پر بھی ان خوش قسمت افراد کے ناموں کی فہرست موجود نہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لیکر قیامت تک مسلمان مملکت کے سربراہ بنیں گے۔

اگر کوئی ایسی فہرست ہوتی تو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد جبکہ ابھی آپ کا جسد اطہر مدفون بھی نہ ہوا تھا خلیفہ کے تقرر پر اختلاف رائے پیدا نہ ہو جاتا۔ مہاجرین کو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑی منا امیرو منکم امیر (امیر دو ہوں ایک مہاجرین اور دوسرا انصار میں سے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نہ ہی حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر دو آراء ہوتیں۔ اس بناء پر اسلام میں جمہوریت کا پہلا مظہر جو سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے حکومت سازی ہے۔ اس بارہ میں اسلام کا واضح متعین اور غیر مبہم موقف یہ ہے کہ حاکم وقت کو عوام کی اکثریت کی سند قبولیت حاصل ہو ان کا معتمد علیہ ہو اور اسے ان کا مینڈیٹ حاصل ہو۔ یہ ایک ایسا بنیادی اصول ہے جس سے شرعاً نہ انحراف جائز ہے اور نہ اس کا انکار ممکن ہے۔ کسی ایسے شخص کو حکومت کرنے کا قطعاً" کوئی حق نہیں جس سے عوام کی اکثریت متنفر ہو۔ ان کا مبغوض ہو اور وہ اسے بطور حاکم دیکھنا پسند نہ کرتے ہوں۔ یہ ہی جمہوریت ہے۔ یہ عوامی حکومت ہے اور یہ ہی امر اسلام کے سیاسی نظام کی روح ہے جس نے خلافت راشدہ کو حسن و جمال بخشا اور جس نے اسلام کو لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں تک پہنچا دیا۔ جو حضرات خلافت و شورائیت کے علم بردار ہیں اور اس کی صحبت میں جمہوریت کشی پر ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے بھی یہ سوال غور طلب ہے کہ آخر خلیفہ کا تقرر کیسے ہو گا؟ ولی عہدی کا نظام ہو گا یا کسی مخصوص خاندان میں لیلیٰ اقتدار کو محبوس کر دیا جائے گا۔ اس طرح تو کئی (جس کی تاریخ شاہد ہے) نومولود بھی تاج خلافت پہن سکیں گے۔ اور بدقسمتی یہ ہو گی کہ نامدۃ العمرانی کے تاریک سایہ خلافت میں عوام کو جی جی کر فرمانا اور مر مر کر جینا ہو گا۔ جمہوریت میں کم از کم ایسے ظل سبحان کی تو کوئی گنجائش موجود نہیں کہ ادھر والدہ ماجدہ نے جنم دیا ادھر اقتدار کا ہما ان کے سر پر آن بیٹھا اور اگر بدقسمتی سے کوئی نااہل حاکم آبھی جائے تو ایک مقررہ مدت کے بعد اس سے خلاصی کرائی جا سکتی ہے۔ لہٰذا جمہوریت کی نفی کرنا اسلام کے سیاسی نظام کی روح سے نابلد ہونے کے مترادف ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ کو خلیفہ بنا دیا گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مندرجہ ذیل تاریخ ساز جملہ استعمال فرمایا۔

"جس کو عوام نے پسند کیا اللہ کو بھی وہی پسند ہے"۔

جمہوریت کے لئے اس سے زیادہ داد تحسین اور کیا ہو سکتی ہے؟

(ب) اسلام میں جمہوریت کا دوسرا مرحلہ حکومت بن جانے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ قرآن و سنت دو بنیادی اصول ہیں۔ ان کی واضح نصوص کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ خنزیر حرام ہے۔ شراب حرام ہے۔ زنا حرام ہے' ان کو اکثریت تو کجا پوری مسلم امت مل کر بھی حلال نہیں کر سکتی۔ ان مسائل میں جمہوریت ہے نہ اجماع' اس طرح اساسی عقائد و عبادات میں بھی نہ اکثریت رد و بدل کر سکتی ہے نہ پوری امت محمدیہ۔ لیکن بعض مسائل ایسے ہیں جن میں یا تو نصوص مفقود ہیں یا نصوص کی تاویل میں اختلاف رائے کی گنجائش موجود ہے۔ ان مسائل میں فیصلہ جمہوریت کی بنیاد پر شرعاً" مباح اور جائز ہے۔ قرآن حکیم کی تفاسیر' احادیث کی شروحات اور ائمہ اربعہ کے مسالک و مذاہب پر معدودے تمام کتب میں ایسے مسائل کا ذکر کرنے کے بعد کسی ایک موقف کے حق میں عموماً"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلیل دی جاتی ہے وعلیہ الجمہور (یہ ہی جمہور اکثریت) کا مسلک ہے۔ اگر جمہوریت کفر ہے، صرف مغربی اصول ہے تو اس کفر اور مغربیت سے تو مذکورہ ساری کتب بھری پڑی ہیں۔ جمہوریت کو ہدف لعن بنانے سے قبل ضروری ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول اور علیہ الجمہور کے الفاظ کو ان کتب سے محو کر دیا جائے یا ان کتب کو ہی دریا برد کر دیا جائے۔

پاکستان میں اسلامائزیشن کی کشتی ایک خوفناک بھنور میں پھنس چکی ہے۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آرہا کیا چیز اسلامی ہے کیا غیر اسلامی۔ عوام جو اسلام سے والہانہ شغف اور لگاؤ رکھتے ہیں روز روز کی چیخ و پکار سے بیزار اور پریشان ہیں۔ یہ اضطراب بے جا نہیں۔ بالکل جائز ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت وطن عزیز میں جن حضرات کو اسلام اور شریعت کا ترجمان سمجھا جا رہا ہے۔ یا بن چکے ہیں وہ دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک ڈاکٹروں اور پروفیسروں کا گروہ ہے۔ جو اسپرو بیچتے بیچتے عالم دین بن گئے ہیں۔ عربی سے معمولی شدبد کے بعد بعض اردو کی تفاسیر اور کتب پڑھ کر اسلام کے اجارہ دار بن گئے ہیں۔ اسلام پر لکھی اصولی اور امہات الکتب کی ایک نظر زیارت سے بھی محروم ہیں۔ ایسے بے علم علماء سے اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔

حال ہی میں جمہوریت اور خلافت و شورائیت پر جو مختلف مضامین اس گروہ نے مختلف جرائد اور رسائل میں لکھے ہیں راقم نے انہیں بغور پڑھا ہے۔ ان تحریرات کو پڑھنے کے دوران جہاں ایک طرف اسلام کی مظلومیت کا احساس ہوتا ہے وہاں ہنسی بھی آتی ہے کہ یہ حضرات کس جسارت اور بے باکی سے اپنے جاہلانہ خیالات کو اسلام کے کھاتے میں ڈال رہے ہیں۔ مثلاً اسلام کے سیاسی نظام میں خلافت کو شرعی اصطلاح قرار دیکر اس کے سوا دوسری اصطلاحات کو مسترد کر دیا گیا ہے جن میں جمہوریت بھی شامل ہے۔ اسی طرح شورائیت کو بھی شرعی اصطلاح بتایا گیا ہے اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ ان دونوں الفاظ کا ذکر چونکہ قرآن مجید میں ہے لہٰذا یہ ہی شرعی اصطلاحات ہیں۔ یہ استدلال بڑا مضحکہ خیز ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید اور سنت میں مذکورہ تمام الفاظ جن کے ساتھ کوئی شرعی حکم وابستہ ہے تین طرح کے ہیں۔ آسان الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و سنت میں مذکور اصطلاحات تین طرح کی ہیں۔

(الف) وہ الفاظ یا وہ اصطلاحات جن کی وضاحت کرنا اور ان کی تعریف و تشریح کرنا صرف سرور دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ امت کا کوئی دوسرا فرد ان کی تفسیر اور وضاحت کرنے کا مجاز نہیں۔ مثلاً صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ یہ ایسی اصطلاحات ہیں کہ ان کی وضاحت کرنا اور ان سے متعلقہ احکام بیان کرنا صرف صاحب شریعت کا کام ہے۔ ایسے الفاظ اور اصطلاحات جن کی وضاحت کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام نہیں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وضاحت کی ہے بلکہ ان کی وضاحت کرنا اہل لغت کا فریضہ ہے۔ مثلاً" ارض، سماء، شمس، قمر، شجر، حجر وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض الفاظ ایسے ہیں جن کی وضاحت کرنا نہ صاحب شریعت کا کام ہے نہ اہل لغت کا۔ بلکہ اس قسم کی اصطلاحات اور الفاظ کی وضاحت کرنا صرف عرف کا کام ہے۔ مثلاً نکاح، طلاق، بیع، شراء وغیرہ صحابہ کرامؓ نے ان کی اور ان جیسے دیگر الفاظ کی تشریح اپنے عرف کے مطابق کی ہے۔ لغوی اصطلاحات اور عرفی اصطلاحات کو شرعی اصطلاح کہنا محض جہالت ہے۔ ان عرفی اصطلاحات میں سے ہی خلافت، امارت، شورائیت کی اصطلاحات ہیں۔ یہ عرفی الفاظ ہیں نہ کہ شرعی، اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے امیر المومنین کہلوانا پسند فرمایا۔ اگر خلافت کوئی شرعی اصطلاح ہوتی تو یقیناً حضرت عمرؓ اس تبدیلی کے مجاز نہ تھے۔ لہٰذا عرف عام اگر خلافت و امارت کی بجائے کوئی اور نام تجویز کرتا ہے (مثلاً "صدارت وغیرہ) تو یہ بھی اتنا ہی مناسب اور موزوں ہے جتنا کہ مذکورہ الفاظ ہیں۔ شریعت کا کام ان لغوی اور عرفی اصطلاحات سے متعلقہ مسائل و احکام بیان کرنا ہے نہ کہ ان کی تعریف (Defination) کرنا اور ان کو شرعی قرار دینا ہے۔ ان میں شریعت مقاصد کو مدنظر رکھتی ہے نہ کہ الفاظ کو قرآن مجید میں خلافت کے علاوہ ایک اور لفظ تمکین بھی مذکور ہے۔ **(الذین ان مکنٰھم فی الارض)** اسی طرح حکمرانوں کیلئے وارث کا لفظ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ **ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔** لیکن اسلامی نظام سیاست میں خلافت کی جگہ انہیں کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ نہ اسلامی سیاسی اقتدار کو تمکین سے تعبیر کیا گیا نہ وراثت سے۔ اگر کسی لفظ کے قرآن مجید میں مذکور ہونے سے وہ شرعی اصطلاح بن جاتا ہے تو پھر تمکین اور وراثت بھی شرعی اصطلاحیں ہیں۔ مگر اس بات کو کبھی کسی نے تسلیم کیا ہے نہ کوئی کرے گا۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ خلافت عرفی اصطلاح ہے نہ کہ شرعی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو اسلامی ریاست کا مرکز قرار دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے بھی اسی کو بحال رکھا۔ یہ کوئی شرعی حکم یا فیصلہ نہ تھا۔ ایسی بات ہوتی تو سیدنا حضرت علیؓ جنگ جمل کے بعد سیدھے کوفہ جا کر اسے مرکز نہ بنا لیتے۔ یہ سب باتیں اس حقیقت کی غماز ہیں کہ سیاسی معاملات میں عرف اور عصری ضرورت کو اہمیت ہے۔ نہ کہ ظاہری الفاظ کو۔

عصری ضرورت کے تحت بھی بعض امور اختیار کرنے کے ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسوہ حسنہ موجود ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ فارس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت ارسال کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ وہ لوگ صرف اس خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر لگی ہو۔ صرف اس ضرورت کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی بنوائی اور اسے بطور مہر استعمال فرمایا۔ یہ انگوٹھی کی مہر کوئی شرعی اصطلاح نہیں۔ کہ اس کی بنیاد پر لکڑی یا کسی دوسری دھات کی بنی ہوئی مہر کو غیر شرعی اصطلاح قرار دے دیا جائے۔

ان وجوہ کی بناء پر خلافت کو شرعی اصطلاح قرار دیکر مروجہ سیاسی اصطلاحات کو غیر شرعی قرار دینا درست نہیں۔ دوسرا گروہ ان احباب پر مشتمل ہے جن کے فکر و نظر کی وسعت صرف کسی مخصوص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہی حصار میں مقید ہے۔ اس حصار سے باہر نکلتے وقت ان کے بال و پر جلنے لگتے ہیں۔ وہ اسلام کو ایک مخصوص زاویہ نگاہ سے ہی دیکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک اسلام صرف وہ ہے جو ان کی من پسند فقہ کے تابع ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور آج سے سینکڑوں سال قبل مرتب شدہ فتاویٰ و اقوال پر ہی عمل کیا جائے خواہ وہ اسلامی مزاج سے اسلامی رویہ سے اور اسلام کے ارفع و اعلیٰ مقاصد سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں۔ اگر وہ بہت زیادہ بلند حوصلگی اور وسعت ظرف کا مظاہرہ فرمائیں گے تو وہ سارے اسلام کو ایک کی بجائے چار فقہوں میں محصور کر دیں گے۔ اور ان سے باہر جو بھی اسلامی نکتہ نظر کے تحت اجتہادات کئے گئے ہیں مسلم امہ کو ان سے استفادہ کرنے سے روک دیں گے۔ پاکستان میں اسلام کی مظلومیت کی دوسری اہم وجہ یہ ہے۔ جب تک اس خود ساختہ اور نام نہاد حصار سے باہر نکل کر اسلام کو اس کے وسیع تناظر میں نہیں دیکھا جاتا اور پوری امت کے اہل علم کی آراء سے استفادہ نہیں کیا جاتا اس وقت تک اسلام کے شیدائی عوام کو محرومیوں اور مایوسیوں کا ہی سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر صدر ضیاء الحق کے جاری کردہ مجموعہ اسلامی قوانین (حدود آرڈیننس) ہی کو لیجئے۔

ان قوانین کی ساری اٹھان فقہی مفادات کے تحفظ پر اٹھائی گئی ہے اور کتاب و سنت کی روح کو پامال کیا گیا ہے۔ زنا مستوجب حد رجم کیلئے مجرم یا مجرمہ کا محصن ہونا ضروری ہے۔ مگر ان قوانین میں احصان کیلئے اسلام کو شرط قرار دے دیا گیا ہے۔ جو ممکن ہے کسی فقہ کے تو عین مطابق ہو مگر اس سے زنا کاروں کو چور دروازہ مہیا کر دیا گیا ہے۔ کس قدر ستم ظریفی کی بات ہے کہ مسلمان شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو ان کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے اور جس مسلمان کی بیوی یہودن یا عیسائی ہے اسے زنا کا ارتکاب کرنے پر اس عبرتناک سزا سے صاف طور بچا لیا جائے اور یہ فرما دیا جائے کہ اہل کتاب خواتین سے نکاح کرنے والا محصن نہیں ہوتا۔ اس فتویٰ کی عہد ملوکیت میں تو افادیت ہو سکتی ہے کہ ظل سبحانی اور شہزادگان کو اس طرح حد رجم سے بچایا جا سکتا ہو مگر اس دور میں اس تفریق کا فائدہ صرف عیاش امراء اٹھائیں گے اور غریب پھر پتھر کھائیں گے اور ان کا جرم صرف یہ ہو گا کہ انہوں نے گوری میم کے ساتھ شادی کیوں نہیں کی۔ شراب نوشی کو مستوجب حد جرم قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ مستوجب تعزیر جرم ہے۔ اگر یہ مستوجب حد جرم ہوتا تو جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر حضرت علیؓ کی امارت کے عہد تک اس کی سزا میں ردوبدل نہ ہوتا رہتا۔ کیونکہ حدود کی سزاؤں میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں۔ ممکن ہے چاروں فقہی مسالک میں اسے مستوجب حد ہی قرار دیا گیا ہو مگر ان سے باہر بھی تو اسلام ہے۔ خصوصاً جبکہ قرآن و سنت میں اس جرم کی مقررہ سزا (حد) ہے ہی کوئی نہیں۔

بعض تعزیری سزائیں [illegible] کر چنگیز خان کو بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پسینہ آجائے۔ مثلاً "کسی مجرم کو اس کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی ضبطی کی سزا دینے کے بعد بھی اس پر بھاری جرمانہ عائد کرنا کہاں کی معقول سزا ہے۔ غیر ملکی سامراج اپنی نوآبادیات میں اگر ایسی وحشیانہ سزائیں دیں تو ایسا ہونا ممکن ہے کیونکہ ان کی حکمرانی کی بنیاد ہی ظلم و ستم اور جبر و قہر پر ہوتی ہے۔ مگر اسلام کے نام پر اپنے ہی عوام کو ایسی سزا دینا سنگدلی کی انتہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کیلئے بھی نصف مال کی سزا مقرر کی تھی مگر یہاں تو کل مال بحق سرکار ضبط کرنے کے بعد بھاری جرمانہ کی نوید بھی دی جا رہی ہے۔

؎ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

افسوس کسی مدعی علم کو ان دھاندلیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی توفیق نہ ہوئی بلکہ اس پر صدر مرحوم پر عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کئے گئے۔ عائلی قوانین کے خلاف اکثر صدائے احتجاج بلند کی جاتی ہے۔ ان کی بعض دفعات کو خلاف شریعت قرار دے کر ان کو کالعدم قرار دینے کا مطالبہ بھی گاہے بگاہے سننے میں آتا ہے۔ تعدد ازدواج پر پابندی کی دفعہ کے علاوہ صرف ایک ایسی دفعہ نظر آتی ہے جو ان حضرات کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتی ہے۔ اس دفعہ کے تحت بیک وقت دی گئی تین طلاقوں یا بلا رجوع وقفہ کے بعد تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہونے کے باوجود چونکہ ایک مخصوص فقہی مکتب فکر کے خلاف ہے لہذا اس کو خلاف شرع قرار دینے کا واویلا کیا جا رہا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے اصحاب جبہ و دستار اور وارثان مسند نبوت کس طرح اس ملک میں اسلام اور شریعت کو اپنی لونڈی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ اس صورت میں اسلامائزیشن کا عمل کس طرح مفید اور مثبت نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

صدر مملکت محترم غلام اسحاق خاں صاحب نے بھی قصاص و دیت کے قانون میں اسی طرز فکر کی راہ اختیار کی۔ کتاب و سنت کے خالص اسلام کی بجائے فقہی اسلام کو مسلط کیا۔ اس قانون کے تحت قصاص میں مسلم اور غیر مسلم کے خون کو مساوی حیثیت دی گئی ہے۔ جو خون مسلم کی بے حرمتی اور توہین کے مترادف ہے۔ کجا وہ جان جو بیت اللہ سے بھی زیادہ محترم ہے اور کجا وہ جان جو اتنی نجس ہے کہ اسے حرم میں قدم رکھنے کی بھی اجازت نہیں۔ یہ دونوں برابر کیسے ہو سکتی ہیں۔ صبح و شام اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے والی سرور دو جہاں پر درود سلام بھیجنے والی اور کلام پاک تلاوت کرنے والی جان اور اللہ رسول کو گالی دینے والی اور قرآن مجید کی تحقیر و توہین کرنے والی جان کو ہم پلہ اور یکساں قرار دینا اسلامائزیشن کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی واضح فرما دیا ہے کہ لا یقتل مومن بکافر۔ (کافر کے قصاص میں مومن کو قتل نہیں کیا جا سکتا) حدود و قصاص کے قوانین میں اسلام کا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ شبہ کی بناء پر انہیں ساقط کر دیا جائے۔ شبہ کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو ملتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا صحیح حدیث [illegible] اہمیت نہیں رکھتی کہ اس کی بناء پر مسلمان کو غیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم کے قصاص سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ یہ ہی بات امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے پوچھی تھی تو آپ کو خاموش رہنے کے سوا کوئی رستہ نظر نہ آیا۔ جس ملک میں اس قدر جانبدارانہ اور متعصبانہ ذہن کے ساتھ اسلامائزیشن ہو رہی ہو۔ اس ملک میں اسلام کا خدا ہی حافظ ہے کہ ایک طرف یہ آئینی پابندی کہ کتاب و سنت کے خلاف قانون سازی نہیں ہو سکتی اور دوسری طرف اسلام کے نام پر سنت کے خلاف قانون کو شرعی قانون کے طور پر نافذ کیا جا رہا ہے۔

صدر ضیاء الحق نے وفاقی شرعی عدالت تشکیل دی۔ اسے ایک عظیم کارنامہ قرار دیا اور اپنی حسنات کی فہرست میں اس کا ذکر بڑے فخر و مباہات سے کیا۔ عدالت کوئی بھی ہو۔ شرعی یا غیر شرعی وہ واجب الاحترام ہے اور واجب الاطاعت بھی۔ ملک کو انارکی' بدامنی اور شر و فساد سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ عدالتی حکم کو بسرو چشم قبول کیا جائے اور اس پر بحیثیت خاطر عمل کیا جائے۔ یہ بات ملک کا وجود قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے اور اس سے کسی کو اختلاف نہ ہو سکتا ہے نہ ہے۔ لیکن یہ امر محل نظر ہے کہ محض نام رکھ دینے سے عدالت کا فیصلہ شرعی ہو جاتا ہے۔ شرعی فیصلہ سے مراد ایسا فیصلہ ہوتا ہے جس کے متعلق یقین سے کہا جا سکتا ہو کہ یہ فیصلہ عین اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کی منشاء رضاء کے موافق ہے۔ یہ حیثیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو حاصل ہے کہ ان کا ہر حکم اور ہر فیصلہ عین منشاء خداوندی کے مطابق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کمیشن' کسی ثالث' کسی امیر اور کسی بھی عدالت کے فیصلہ کو اس معنی میں شرعی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ درحقیقت وہی اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کی رضاء کے موافق ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی اور فکری و نظری زوال کا آغاز اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب اجتہاد پر مبنی آراء وقضایا کو عین شریعت قرار دیدیا گیا تھا۔ اسلام نے اجتہاد کی اہمیت کو ضرور تسلیم کیا ہے۔ اس کو مستحسن سمجھ کر اس کی اجازت بھی دی ہے۔ مگر اس بات کی قطعاً" اجازت نہیں دی کہ اجتہادی فیصلہ کو عین شریعت بنا کر پیش کیا جائے۔ صحابہ کرام ابوبکر صدیق وغیرہ اور ائمہ کرام نے واشگاف الفاظ میں بتا دیا تھا کہ ان کی آراء اور ان کے اجتہادات میں یکساں طور خطاء و صواب کا احتمال ہے۔ لہٰذا انہیں شریعت نہ سمجھ لیا جائے۔ مگر ہماری قسمت کہ ان پاکیزہ فطرت لوگوں کی پاکیزہ بات کو زینت طاق نسیاں بنا دیا گیا اور نہ صرف ان کے اجتہادات کو شریعت تصور لیا گیا بلکہ ان کے نام لیواؤں میں سے بہت نیچی سطح کے بزرگوں کے اجتہادات کو شریعت سمجھ کر واجب اطاعت قرار دیدیا گیا۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں کو بھی شرعی فیصلے قرار دینا اس باطل نظریہ کا تسلسل ہے۔ بنو عباس اور بنو امیہ کے عہد حکومت میں بھی فقہی بنیادوں پر عدالتیں تشکیل دی گئی تھیں۔ اور ان کو شرعی قرار دیا گیا تھا۔ مگر علمائے حق نے ان کے فیصلوں کو شرعی فیصلہ کے طور پر کبھی تسلیم نہ کیا۔ سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ کے عہد میں کوفہ ابن ابی لیلی کی شرعی عدالت تھی۔ حضرت امام نے اس کے فیصلوں سے متعدد بار اختلاف کیا۔ چنانچہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موضوع پر ایک مستقل کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ ہماری گزارشات پر شاہد عدل ہے۔ یہ واقعہ کتب میں موجود ہے کہ ایک معتوہہ (ناقص العقل)

عورت نے اس وقت جب اسے کسی شخص نے پریشان کیا تو یہ کہہ دیا اے زانی ماں اور زانی باپ کے بیٹے۔ اس عورت کو قذف کے جرم میں ابن ابی لیلیٰ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ جو قاضی کوفہ تھے۔ آپ کے سامنے اس نے اعتراف جرم کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس عورت کو مسجد میں لے جا کر قذف کی دو حدیں اس پر نافذ کی جائیں۔ کیونکہ اس نے ایذا رسانی کرنے والے کے باپ اور ماں دونوں کو زانی کہا تھا۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور اس عورت پر دو حدیں (ایک صد ساٹھ کوڑے) لگا دی گئیں۔ جب حضرت امام ابو حنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا۔ ابن ابی لیلیٰ نے اپنے فیصلہ میں سات غلطیاں کی ہیں۔ (1) معتوہہ کا اعتراف غیر معتبر ہے۔ (2) معتوہہ مستوجب عقوبت نہیں۔ (3) دو حدیں لگائیں۔ (4) اگر دو بھی لگانا تھیں تو دونوں کے درمیان معقول وقفہ چاہئے تھا۔ (5) مسجد میں حد لگائی۔ (6) عورت کو کھڑا کر کے حد لگائی۔ (7) ولی کی غیر موجودگی میں لگائی۔

حضرت امام کے ارشاد سے واضح ہوا قاضی کا فیصلہ خطاء و اصواب کا متحمل ہوتا ہے۔ اس فیصلہ کو محض اس بناء پر شرعی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اسلامی اور شرعی عدالت ہے۔ حضرت امام کی اس سخت تنقید اور گرفت پر نہ آپ کو توہین عدالت کا نوٹس ملا۔ نہ توہین عدالت کا مرتکب قرار دے کر سخت سزا کی نوید سنائی۔ اسلامی تاریخ میں بنو عباس نے شرعی عدالتیں قائم کیں۔ بنو امیہ نے بھی ایسی عدالتیں قائم کیں۔ اور عموماً" مالکی ائمہ کو اس اعزاز سے نوازا۔ جہاں تقبیو کا ایوان اقتدار میں اثر و رسوخ تھا وہاں شافعی قاضی مقرر کئے گئے۔ ایک ہی مسئلہ میں ہر قاضی نے ایک دوسرے کے متضاد فیصلہ دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے عدالت کا فیصلہ بہر صورت شرعی نہیں ہو سکتا ورنہ شریعت تضادات کا مجموعہ قرار پائے گی۔ وضاحت کیلئے اگرچہ سینکڑوں فیصلے بطور مثال دیئے جا سکتے ہیں مگر اختصار کے پیش نظر صرف دو مثالیں کافی ہوں گی۔

(الف) حنفی شریعت کورٹ کا فیصلہ ہے کہ نکاح میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہو سکتی ہیں۔ اور ایسے نکاح کے نتیجہ میں کی جانے والی ہم بستری حلال ہے۔ شافعی شریعت کورٹ کا فیصلہ ہے کہ ایسا نکاح باطل ہے اور یہ ہم بستری زنا ہے۔ اسی بناء پر شافعی حنفیہ پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں عجبت للحنفی یزنی۔

(ب) حنفی شریعت کورٹ کا فیصلہ ہے کہ جو مرد کسی عورت سے زنا کرتا ہے تو ایسے مرد پر اس کی ماں، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ حرام ہو جاتی ہیں۔ گویا نکاح کی صورت میں جو رشتے مرد پر حرام ہوتے ہیں وہ زنا کی صورت میں بھی حرام ہوتے ہیں۔ مگر شافعی شریعت کورٹ کا فیصلہ ہے کہ زنا کی صورت میں ایسے رشتے حرام نہیں ہوتے زانی ان سے نکاح کر سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قطع نظر اس مسئلہ کے کہ کون سا فیصلہ درست ہے یا کون سا غلط۔ سوال یہ ہے کہ یہ دونوں متضاد فیصلے بیک وقت شرعی ہو سکتے ہیں۔ ایسا سوچنا بھی توہین ہے کہ حلال بھی شریعت ہے اور حرام بھی شریعت ہے۔ یہ ناممکن امر ہے۔ لہٰذا شرعی عدالت کے فیصلوں کے بارہ میں یہ سوچنا بھی توہین شریعت کے مترادف ہے کہ اس کے فیصلے عین شریعت کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں اور وہ شرعی فیصلے ہیں۔ اس اعتبار سے وفاقی شرعی عدالت اور عام دیگر اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں۔ دونوں کی حیثیت ایک جیسی ہے۔ جس طرح کسی ہائی کورٹ کے فیصلہ کی تعمیل ضروری ہے اس لئے نہیں کہ وہ خدا اور رسول کے حکم ہیں محض اسلئے کہ عدالت کا احترام ہی مہذب قوم کی شناخت ہے اس طرح شرعی عدالت کا فیصلہ واجب الاطاعت کہ وہ محترم و معزز عدالت ہے اس لئے نہیں کہ وہ اللہ و رسول کی منشاء و مرضی کے مطابق فیصلہ کر پاتی ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں خود وفاقی شرعی عدالت نے ایک مرتبہ فیصلہ دیا کہ رجم کی سزا غیر اسلامی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلا فیصلہ شرعی نہ تھا۔ اور یہ ہی ہمارا مقصود ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں کو یہ سمجھ کر تسلیم کرنا کہ یہ ہی اللہ و رسول کا حکم اور فیصلہ ہے خالص اسلام اور شریعت مطہرہ و منزلہ کے خلاف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پاکستان میں اسلامائزیشن کی عمارت کی اساس ہی ٹیڑھی رکھی جا رہی ہے۔ اور جب بنیاد کی اینٹ ہی ٹیڑھی ہوئی تو عمارت کیسے سیدھی کھڑی ہو سکتی ہے۔ اور اس کے ذمہ دار وہ سرکاری و غیر سرکاری "فقہاء" ہیں جو اسلام کو ذہنی تحفظات کی کڑیاں پہنا کر اور خود ساختہ نظریات کی زنجیروں میں جکڑ کر پابجولاں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو انہیں عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہئے۔ کہ انکا انجام بھی عبرتناک نہ ہو اور اگر غیر دانستہ طور پر کر رہے ہیں تو انہیں چاہئے کہ اسلام کے ساتھ یہ مذاق بند کر دیں۔ اور نفاذ اسلام کی ذمہ داری "اہل افراد" کو سونپ دیں جن کی سوچ غیر جانبدارانہ ہو اور وہ خالص کتاب و سنت کے داعی ہیں۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

سفرِ حجاز

ادارہ ترجمان السنۃ لاہور

© rasailojaraid.com

پاکستان